عصمت انبیاء سے بظاہر متعارض صحیحین کی بعض احادیث کا علمی جائزۃ

Analysis of some apparently conflicting Ahâdith of Sahihyain on Ismat Anbiân

*ڈاکٹر مفتی محمد التماس خان

**پروفیسر ڈاکٹر صاحب اسلام

Abstract:

Prophets and Messengers have the holiest status amongst Allah's creation. They are the caliph of Allah in the world. Allah's characteristics which can be present in a human after Him are present in Prophets and Messengers. That's why Umma believes in their innocence. The purpose of their prophecy is guidance and breeding of the humanity. One of the most effective tool for breeding is that the breeder must possess the qualities which bring people closer to him. For this reason، Prophets/Messengers should be free and away from all hateful and bad habits. Some hadiths from the Hadith books are seen which appear inappropriate and against prophets grace and honor. That's why some people have rejected those hadiths for being against prophets' honor. In this article، we will discuss the hadith present in Sahih Bukhari and Sahih Muslim which appear against the honor of the prophets.

***Keywords**: Sahih Bukhari، Sahih Muslim، Hadith، Innocence*

صحیح بخاری میں اور اسی طرح حدیث کی دوسری کتابوں میں بعض احادیث ایسی ہیں جو بظاہر عصمت انبیاء کے مخالف نظر آتے ہیں لیکن ان احادیث پر تبصرہ کرنے سے پہلے عصمت کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں۔

---

*لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، پشاور یونیورسٹی، خیبر پختون خواہ۔

**سابق پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی۔

لغت میں عصمت: عَصَمَ یَعْصِمُ سے مصدر ہے، کمانا، روکنااور حفاظت کے معنی میں آتا ہے[۱]۔

اصطلاح میں عصمت انبیاء سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے انکی جسمانی اور نفسیانی فضائل کے سب سے افضل مرتبے میں، ان پر رحمت اور برکت کے نازل ہونے میں انکی مدد کی ہوتی ہےاور اسی طرح انکی قلوب کی حفاظت کی ہوتی ہے اور انکے ساتھ اللہ کی توفیق ہر حال میں شامل ہوتی ہے۔ عصمت کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ عصمت عدم قدرت علی المعصیۃ کو کہتے ہیں اور جمہور کے نزدیک مختار معنی یہ ہے کہ عصمت ایک ایسی خصلت کا نام ہے جو معصوم کو ارتکاب معصیۃ سے بلا کسی جبر واکراہ کے منع کرتی ہے حتی کہ معصوم ترک معصیۃاور فعل واجب میں مجبور نہیں ہوتا۔

جیسا کہ امام رازیؒ نے معصوم کی تعریف کی ہے "معصوم وہ ہے جسکوگناہ کے کرنے پر قدرت نہ ہو۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ گناہ پر قدرت تو ہوتی ہے لیکن معصوم کے بدن اور نفس میں ایسی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ انکو گناہ کے اقدام سے روکتے ہیں۔ عصمت کے مسائۃ میں علماء کے اختلاف کے بارے میں امام رازی فرماتے ہیں، اس مسائۃ میں اختلاف چار مقامات پر واقع ہوا ہے:

(۱)　اعتقاد سے متعلق: تمام اِمت کا اتفاق ہے کہ انبیاء کفر اور بدعات سے معصوم ہوتے ہیں مگر خوارج میں ایک فرقہ "فضیلۃ" انبیاء سے کفر کے وقوع ہونے کے قائل ہیں۔

(۲)　شریعت کے تمام احکام سے متعلق: اِمت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء سے اس باب میں قصداً یا سھواً تحریف یا خیانت ناممکن ہے۔

(۳)　فتوی سے متعلق: اِمت کاانبیاء سے اس باب میں قصداًخطاء کے نہ ہونے پر اتفاق ہے لیکن سھواً غلطی کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۴)　انبیاء کے افعال اور احوال سے متعلق: اس بارے کئی اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کے ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں قصداً صغیرہ گناہ تو ہو سکتا ہے لیکن کبیرہ نہیں۔ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ صغیرہ گناہ بھی عمداً نہیں ہو سکتا۔ پھر وقت کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں یہ سب معصوم ہونا پیدائش سے لیکر آخری عمر تک، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صرف

نبوت کے زمانے میں گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ امام رازی کہتے ہیں : ہم کہتے ہیں کہ انبیاء نبوت کے زمانے میں کبیرہ اور صغیرہ کے قصداً/عمداً سے معصوم ہوتے ہیں لیکن سھواً جائز ہے یعنی ہو سکتے ہیں[۲]۔ عصمت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو ذکر کرنے کے بعد اب ان احادیث پر علماء کے اقوال کی روشنی میں تبصرہ کریں گے جن پر بعض لوگوں نے طرح طرح کے اعتراضات کرکے ان احادیث کو انبیاء کرام علیھم السلام کی عصمت کے مخالف قرار دے رد کئے ہیں۔ کہ انکے اعتراضات واقعۃ اپنی جگہ پر درست ہیں یا کسی شبہ اور غلط فہمی کی بناء پر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ پہلی حدیث حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق ہے۔

١- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ لَهُ سِتُّونَ امْرَأَةً فَقَالَ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى نِسَائِي فَلْتَحْمِلْنَ كُلُّ امْرَأَةٍ وَلْتَلِدْنَ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَطَافَ عَلَى نِسَائِهِ فَمَا وَلَدَتْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَلَدَتْ شِقَّ غُلَامٍ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ سُلَيْمَانُ اسْتَثْنَى لَحَمَلَتْ كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ فَوَلَدَتْ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ-[۳]

ابوہریرۃ رضی اللہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام کی ٦٠ بیویاں تھیں۔" ایک دن آپ نے فرمایا کہ میں آج رات اپنی سب بیویوں کے پاس جاوں گااور وہ سب حاملہ ہو کر مجاہد پیدا کریں گے جو اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے پھر آپ سب کے پاس گئے تو سوائے ایک کے جس سے ایک نامکمل بچہ پیدا ہوا باقی کسی سے بھی اولاد پیدا نہیں ہوئی" رسول اللہ نے فرمایا اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب حاملہ ہو کر مجاہد پیدا کرتیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے،

بعض روایات میں ۹۹، بعض میں ۱۰۰، بعض میں ۷۰ اور بعض میں ۹۰ بیویاں منقول ہیں[۴]
یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جن کو کچھ مصنفین بعض اشکالات کے پیش نظر رد کرتے ہیں ، حدیث پر وارد کیے جانے والے اشکالات میں سے پہلا اشکال اضطراب فی المتن کا ہے۔ صادق

النجمی لکھتے ہیں کہ روایت کے متن میں اضطراب ہے کیونکہ بعض روایات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد ۱۰۰ ہے، بعض میں ۹۹۔ بعض میں ۹۰اور بعض میں ۷۰، بعض میں ۶۰ ہیں۔اور یہ سب روایات امام بخاری اور مسلم نے روایت کی ہیں۔ لہٰذا حدیث میں اس قدر اضطراب کا ہونا حدیث کے موضوع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا اشکال انسان کی جسمانی صلاحیتوں کے اعتبار سے کیا گیا ہے کہ انسان کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو اس کا ایک رات میں اتنی کثیر تعداد میں جماع کرنا ممکن نہیں ہے۔ تیسرا اشکال وقت کی قلّت کے اعتبار سے ہے کہ ایک ہی شخص کے سو مرتبہ جنسی عمل سے گذرنے کے لیے صرف ایک رات کا وقت انتہائی کم ہے، کہ اتنے قلیل وقت میں اس کا وقوع ہی ممکن نہیں۔ چوتھا اشکال یہ ہے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر سلیمان علیہ السلام کیسے ان شاء اللہ کا کلمہ کہنا بھول سکتے ہیں۔[۵] پانچوں اشکال کیفیت بیان کے اعتبار سے یہ کہ، انبیاء کرام اللہ سے براہ راست تربیت یافتہ ہوتے ہیں،اور سب سے زیادہ حیادار ہوتے ہیں،ایسے میں سلیمان علیہ السلام کا لوگوں کے سامنے اپنی بیویوں سے جنسی عمل اور پھر اس کے متوقع نتائج کے بارے میں بات کرنا کیسے ممکن ہو سکتا۔[۶] شرف الدین الموسوی اور صالح ابو بکر نے بھی انہی اشکالات کی بنیاد پر اس حدیث کو آیات قرآنیہ اور عصمت انبیاء کی مخالف قرار دیتے ہوئے موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔[۷]

ابن بطالؒ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جہاد کی نیت سے بچے کی پیدائش پر ابھارنا مقصود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی چاہ رہے تھے لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ ''انشاء اللہ'' بھول گئے اس لئے اگر وہ بول دیتے تو اللہ ان کو اولاد دے دیتے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ کوئی ''انشاء اللہ'' نہ کہے تو اس کا کام پورا نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں تقدیر کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالی انسان کے لئے بیٹے، رزق، مرتبہ وغیرہ کو کسی چیز کے ساتھ مقدر کر دیتے ہیں کہ اگر وہ کرے تو وہ چیز مل جاتی ہے نہ کرے تو نہیں ملتی اور اس وقعہ کی حقیقت حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے۔[۸]

پہلے اشکال: "متن میں اضطراب" کا جواب: اس اشکال کا مناسب جواب ابن حجرؒ نے دیا ہے۔ کہ بعض میں ۶۰، بعض میں ۷۰، بعض میں ۹۰ اور بعض میں ۱۰۰ بھی ہے ان سب کو "جمع" کرنا ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ ۶۰ آزاد عورتیں تھیں اور باقی لونڈیاں یا اس کے برعکس (۴۰ آزاد تھیں اور ۶۰ لونڈیاں) اور ۷۰ کا لفظ مبالغہ کے لئے کہا ہے اور جس نے ۹۰ ذکر کیا ہے اس نے ۱۰۰ سے کم ذکر کیں اور ۹۰ کہہ کر کسر کو ترک کر دیا ہے اور ۱۰۰ والی روایت میں پورے ذکر کئے ہیں۔۔۔ ابن حجرؒ آگے فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ۱۰۰۰ تک بیویوں کا ذکر کیا ہے جن میں ۳۰۰ نکاح والی تھیں اور ۷۰۰ لونڈیاں تھیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قواریر کے بنے ۱۰۰۰ گھر تھے جن میں ۳۰۰ آزاد عورتیں اور ۷۰۰ لونڈیاں ہوتی تھیں۔[9]

دوسرے اشکال کا جواب امام عینی نے یہ دیا ہے کہ ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے ساتھ جماع کرنا عادتاً دوسرے لوگوں کے لئے تو بہت مشکل ہے لیکن اللہ نے پیغمبروں کے جسموں میں خلاف عادت ہی طاقت اور قوت رکھی ہے جیسا کہ ان کے لئے معجزات اور احوال میں رکھی ہے۔ اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قوت حاصل تھی کہ وہ ایک رات میں ۱۰۰ بیویوں کے ساتھ جماع کر سکتے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اس روایت کے علاوہ کسی دوسری روایت میں اس واقعہ کے بارے میں صراحۃ کوئی خبر موجود نہیں مگر یہ کہ روایات میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ ان کو ۳۰ لوگوں کی برابر قوت اور طاقت کی روایت کے مطابق ۴۰ لوگوں کی قوت کے برابر قوت دی گئی تھی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ۴۰ لوگوں کی قوت دی گئی تھی اور اس سے دنیا کا شخص بھی مراد نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ۴۰ لوگوں کی برابر قوت دی گیئ تھی۔[10]

تیسرے اشکال کا جواب، عبدالسلام رستمی نے اپنی کتاب میں یہ دیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے انسان کے لئے یہ تعجب کی بات نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے لئے ہوا اور جنات کو مسخر کیا گیا تھا او دنیا کے اکثر ممالک پر انکی حکومت تھی۔ دوسری بات یہ کہ بائبل سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو لونڈیاں اور تین سو بیویوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر صحیح حدیث سے سو بیویوں کا ثبوت مل جائے تو پھر اس

پر اعتراض کیوں؟۔ اسکے علاوہ عدد کے تفاوت سے حدیث میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تھوڑے عدد کے ذکر سے زیادہ عدد کی نفی لازم نہیں آتی۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ بعض نے صرف بیویوں کو ذکر کیا ہو اور بعض نے صرف لونڈیوں کو اور بعض نے سب کو ملا کر ذکر کیا ہو۔" چوتھے اشکال کا جواب ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے لیکن یہاں پر یہ احتمال بھی ہے کہ آپ زبان سے بھول گئے تھے لیکن آپ نے صرف دل میں کہنے پر اکتفاء کیا ہو۔"[۱۲]

پانچویں اشکال کا جواب حافظ زبیر علی نے یہ دیا ہے کہ منکرین حدیث کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے لوگوں کے سامنے اس بات کا ذکر کیا کہ میں آج رات اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کرونگا"؟ فرماتے ہیں: ان کا یہ اعتراض کرنا درست نہیں کیونکہ حدیث سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات بیویوں کے پاس جاؤں گا۔۔۔۔اب یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ بات کس کے سامنے فرمائی تھی؟ کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے منبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا۔لہٰذا ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنی بیویوں کے سامنے کہی ہو جسے اللہ نے بذریعہ وحی اپنے حبیب محمد ﷺ کو بتا دیا۔ اور یہی راجح ہے لہٰذا اس پر تعجب کرنا بذات خود باعث تعجب ہے۔"[۱۳]

> ۲, عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَام فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ ----[۱٤]
>
> ابو ہریرۃ رضی اللہ سے روایت ہے کہ ملک الموت کو موسی علیہ السلام کے پاس ان کی روح کو قبض کرنے کے لئے بھیجا گیا، لیکن جب وہ موسی علیہ السلام کے پاس آئے تو موسی علیہ السلام نے فرشتے کو چانٹا مارا، فرشتہ اس حالت میں اللہ کے حضور چلا گیا

اور کہا: آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا، پس اللہ نے انکی آنکھ درست فرمادی۔۔۔

اس حدیث کو بھی مختلف اشکالات کے پیش نظر رد کیا ہے۔ابن فرناس نے اس حدیث کو پرانے بادشاہوں کی کہانیوں جیسی کہانی قرار دے کر رد کیا ہے اور بقول ان کے اس جیسی روایات سے دین کو پاک کرنا واجب ہے۔ متعلقہ اشکالات اور جوابات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا اشکال : موت کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی[۱۵] ایسے میں موت کے فرشتے کا کسی کی روح قبض کرنے کے لیے اجازت لینے، اجازت ملے تو ٹھیک، نہ ملے تو روح قبض کیے بغیر واپس چلے جانے کی کچھ حقیقت نہیں۔[۱۶] دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جلیل القدر پیغمبر متکبر لوگوں والا کام کرے اور بغیر کسی سبب کے کسی کی آنکھ پھوڑ دے۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کی طرف اس واقعہ کی نسبت کرنا جھوٹ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جلیل القدر انبیاء میں شمار کیا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا، و اذاخذ من النبین میثاقھم---- اور دوسری آیت میں " و کان عنداللہ وجیھا"۔[۱۷] حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک عالی شان مرتبہ والے تھے۔[۱۸] تیسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اچھائی کے ساتھ بدلہ دیا۔ حالانکہ انہوں نے ایک برا اور مذموم کام کیا تھا اور اس پر کوئی ملامت کی بجائے عزت اور تکریم کا معاملہ کیا اور ان کو ہزاروں سال تک مزید زندگی دینے کی پیشکش کی۔[۱۹] چوتھا اشکال یہ ہے کہ کیا موسیٰ علیہ السلام زندگی کو زیادہ پسند کرتے تھے جس کی وجہ سے فرشتے کے ساتھ لڑائی کی، حالانکہ دنیا کو ترجیح دینا اور پسند کرنا یہ تو یہودیوں کا کام ہے نہ کہ اللہ کے نیک اور صالح لوگوں کا کام ہے۔[۲۰] شرف الدین الموسوی اور صالح ابو بکر نے بھی انہی اشکالات کی بنیاد پر اس حدیث کو آیات قرآنیہ اور عصمت انبیاء کے مخالف قرار دیتے ہوئے موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔[۲۱]

حدیث پر وارد اشکالات پر ایک عمومی تبصرہ ابن شہبہ کے پاس ملتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ : حدیث کو حکایات میں سے شمار کرنا اور موضوع کہنا ان لوگوں کا ایک باطل وہم ہے کیونکہ حدیث کے صحیح ہونے

میں کوئی شک نہیں جیساکہ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی فرمایا ہے کہ حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جس پر اعتراض کیا جائے۔ اعتراض اس وقت ہوتا جب موسیٰ علیہ السلام فرشتہ کو پہچاننے کے بعد تھپڑ مارتے اور موت سے جان بچاتے۔ جبکہ انبیاء کی شان اور مقام اس سے بری ہے۔[۲۲] دوسرے اعتراض کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ پیغمبروں سے موت سے پہلے پوچھا جاتا ہے اور ان کو زندگی اور موت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔[۲۳]

تیسرے اور چوتھے اشکال کا جواب ابن حجر نے کچھ اس طرح سے دیا ہے کہ بعض بدعتی لوگوں نے اس حدیث کو یہ کہتے ہوئے رد کیا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام نے اس فرشتہ کو پہچان لیا تھا پھر بھی اس کو مارا تو یہ اس فرشتہ کی توہین اور اس کی مرتبے کی تخفیف ہے لیکن اگر نہیں پہچانا تھا تو پھر آنکھ کے پھوڑنے کا قصاص کیوں نہیں لیا گیا؟ آپ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینا مقصود تھا۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو تھپڑ مارنا اور آنکھ کا پھوڑنا وہ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر میں ایک شخص کو بغیر اجازت کے دیکھا اور ان کے فرشتہ ہونے کا علم بھی نہیں تھا۔ شریعت میں کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونے پر آنکھ کا پھوڑنا جائز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بھی فرشتے انسان کی شکل میں آئے تھے اور انہوں نے بھی ابتداء میں نہیں پہچانا تھا اگر پہچان لیتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے لئے کھانے کا انتظام کیوں کرتے بالفرض اگر پہچان بھی لیا تھا تو پھر بھی فرشتوں اور انسانوں کے درمیان قصاص کہاں مشروع ہے؟ اور پھر یہ بات کہاں مذکور ہے کہ فرشتے نے قصاص کا مطالبہ کیا ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قصاص نہیں لیا ہو۔[۲۴]

اس حدیث پر وارد اشکالات پر ایک عمومی تبصرہ احمد شاکر کے ''مسند احمد'' میں مذکورہ حدیث کے حاشیہ میں دیے گیے جواب میں بھی ملتا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس فرشتہ اس صورت میں نہیں آیا تھا جس صورت میں موسیٰ علیہ السلام ان کو پہچانتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ گھر میں بھی بغیر اجازت کے داخل ہوا جس کی وجہ سے ان کو مارا اور ان کی آنکھ پھوڑ دی۔ شریعت میں ایسے بندوں کی آنکھ پھوڑنا

جائز ہے۔ اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے ایک مباح فعل کیا تھا۔ اس کے بعد پھر فرشتہ اللہ کے ہاں چلا گیا اور واقعہ سنایا جس پر اللہ نے دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینے کے لئے اس کو بھیجا۔ دوسری بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہچانا تو آپ نہ تو موت سے انکار کیا اور نہ ہی کوئی مہلت مانگی۔ برخلاف ان لوگوں کے جو محدثین پر الزام اور بہتان لگاتے ہیں کہ اصحاب حدیث لکڑیاں جمع کرنے والے ہیں اور ایسی روایت ذکر کرتے ہیں جس پر کوئی اجر نہیں ملتا بلکہ اس کی وجہ سے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جن کو دین کی صحیح سمجھ اور احادیث کے معانی کا علم نہیں اور حدیث میں غور و فکر نہیں کرتے۔[۲۵]

۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا لَا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالُوا مَا يَسْتَتِرُ هَذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ إِمَّا بَرَصٌ وَإِمَّا أُدْرَةٌ وَإِمَّا آفَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا لِمُوسَى فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهُ فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلَى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ ---[۲۶]

ابوہریرۃ رضی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی شرم والے اور بدن ڈھانپنے والے تھے۔ ان کی حیاء کی وجہ سے ان کے بدن کا کوئی حصہ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ انہیں اذیت پہنچانے کے درپے تھے، ان لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اس درجہ بدن چھپانے کا اہتمام صرف اس لئے ہے کہ ان کے جسم میں عیب ہے یا کوڑھ ہے یا ان کے خصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا پھر کوئی اور بیماری ہے۔

ادھر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ان کی ہفوات سے پاکی دکھلائے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرنے کے لئے آئے ایک پتھر پر اپنے کپڑے (اتار کر) رکھ دیئے۔ پھر غسل شروع کیا۔ جب فارغ ہوئے تو کپڑے اٹھانے کے لئے بڑھے لیکن پتھر ان کے کپڑوں سمیت بھاگنے

لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اٹھایا اور پتھر کے پیچھے دوڑے۔ یہ کہتے ہوئے کہ پتھر! میرے کپڑے دیدے۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے اور ان سب نے آپ کو برہنہ حالت میں دیکھ لیا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تہمت سے ان کو بری کر دیا۔ اب پتھر بھی رک گیا تو آپ نے کپڑا اٹھا کر پہننے کے بعد پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے۔ خدا کی قسم اس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے تین یا چار یا پانچ جگہ نشان پڑ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "تم ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی' پھر ان کی تہمت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بری قرار دیا اور وہ اللہ کی بارگاہ میں بڑی شان والے اور عزت والے تھے۔" میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اس ضمن میں کچھ اشکالات پیش کی جاتی ہیں:

پہلا اشکال یہ ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی طرف سے پہنچے والی اذیت صرف ان کے جسم سے تعلق رکھتی تھی[یعنی قوم کی طرف سے جسمانی عیب کے دعوے کی وجہ سے اذیت میں مبتلا تھے]، تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ان کا رب، انہیں بے پردہ کرنے اور رسوائی میں مبتلا کرنے، ان کو نہ ماننے والوں کے سامنے برہنہ کرنے کے بغیر ہی کسی اور طریقے سے اس اذیت سے نجات نہ دے سکتا ہو، حالانکہ پردہ پوشی کرنے والا قوی ہے۔ کیا کوئی عاقل اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندے کی مدد اور نصرت اس طریقہ کے ساتھ کی ہوگی۔ جعفر السبحانی نے بھی یہی اعتراض کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو اس مرض سے نجات دینی تھی تو اس کے اور بھی مناسب طریقے ہو سکتے تھے اس طریقے کے مقابلے میں جس میں موسیٰ علیہ السلام، لوگوں کے سامنے برہنہ حالت میں آئے اور انہوں نے دیکھ کر مذاق اڑایا۔[۲۷]

دوسرا اشکال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت کچھ قرآن میں ذکر کیا ہے تو اس واقعہ کو کیوں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ تیسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر غصہ کرنے اور مارنے کا کیا معنیٰ کیونکہ وہ تو بے جان ہے؟ چوتھا اشکال یہ ہے کہ جب پتھر کپڑے لے کر

بھاگ رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عقلًا اور شرعًا یہ ضروری تھا کہ کہیں چھپ جاتے اور بغیر کپڑوں کے لوگوں کے سامنے نہ جاتے۔[۲۸]

ابن فرناس کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے ''باب من ان اغتسل عُریانا وحدہ فِی الخلوۃ، و من تستر فالتَّستُر افضل''میں ذکر کیا ہے ان کو جب اس بات سے متعلق کوئی حدیث نہ ملی تو انہوں نے اس اسرائیلی قصہ کو حدیث بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا۔[۲۹]

شرف الدین الموسوی کہتے ہیں، اس حدیث میں عقلًا محال اور ممتنع چیزوں کا ذکر ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایسے واقعہ کے ساتھ تشہیر کرنا جس سے اس کے مقام اور رتبے میں کمی آتی ہو جائز نہیں۔[۳۰]

امام عینیؒ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ننگے پیدل چلنے کا اور ضرورت کے وقت پردہ کی جگہوں کو دیکھنے کا جواز ملتا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء ظاہری اور باطنی عیوب اور نقصانات سے پاک اور بری ہوتے ہیں اور حدیث سے موسیٰ علیہ السلام کے ایک معجزہ کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ان کے مارنے سے اس پتھر پر نشان پڑ گئے تھے۔[۳۱]

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دو معجزوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ۱۔ پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا۔ ۲۔ پتھر کے مارنے سے اس پر آثار کا ظاہر ہونا۔ اس کے علاوہ حدیث سے تمام انبیاء کا تمام عیوب سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔[۳۲]

امام طبریؒ اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ ''لَا تَکُونُوا کَالَّذِینَ آذَوْا مُوسَی'' کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مرض کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو 'فتق'' ہونے کا طعنہ دیتے تھے تو اس سے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف ہوتی تھی اسی وجہ سے پھر یہ واقعہ پیش آیا جس کے ذریعے اللہ نے ان کو اس عیب سے بری کر دیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انکو ابرص کی بیماری تھی اور اس کے ساتھ یہ کہنا بھی مناسب ہے کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے بھائی ہارون کے قتل کا دعویٰ کرتے تھے کہ آپ نے اس کو قتل کیا ہے جس کی وجہ سے اس کو ان باتوں سے تکلیف ہوتی تھی۔ یہ

بھی ممکن ہے کہ اوپر ذکر کئے گئے سب باتیں مراد ہوں۔[۳۳] امام بغویؒ اپنی تفسیر میں اسی واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت زیادہ حیا والے تھے اور وہ ایسے لباس پہنتے تھے جس کی وجہ سے ان کا کوئی حصہ بھی نظر نہیں آتا تھا تو اس پر بنی اسرائیل کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام جو اس طرح سے لباس پہنتے ہیں یہ ان کی جلد میں کوئی عیب ہے وہ برص ہے، یا آدرۃ ہے اور یا کوئی اور مصیبت ہے۔ جس پر اللہ نے ان کو اس عیب سے اس واقعہ کے ذریعے بری کیا۔[۳۴]

ابن عطیہؒ اپنی تفسیر میں سورۃ الاحزاب کے ۶۹ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایذا (تکلیف) کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کے لئے اس کے پاس ایک فاحشہ عورت کو بھیج دیا تھا لیکن اس میں بھی اللہ نے حفاظت فرمائی تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل ہونے کا دعویٰ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کرتے تھے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جلد کی کسی بیماری کی وجہ سے عیب لگاتے تھے وہ عیب یا تو آدرۃ، یا برص، یا کوئی اور مصیبت تھی تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عیب سے اس واقعہ کے بعد بری کر دیا۔[۳۵]

ابن حزمؒ فرماتے ہیں: حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے (بنی اسرائیل) موسیٰ علیہ السلام کی شرمگاہ دیکھی تھی۔ بلکہ انہوں نے ایسی حالت دیکھی جس سے واضح ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر وہ لوگ جو الزامات لگاتے تھے کہ وہ آدر ہیں (یعنی ان کے خصیے بہت موٹے ہیں) اس واقعے سے وہ بری ہوئے کیونکہ ہر دیکھنے والے کو (ایسی حالت میں) بغیر کسی شک کے یعنی شرمگاہ کو دیکھے بغیر ہی یہ واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی عیب نہیں جب دونوں رانوں کے درمیان والی جگہ خالی نظر آ رہی ہو۔[۳۶]

۴۔ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ فَأَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَأُحْرِقَتْ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِنْ الْأُمَمِ تُسَبِّح ۔[۳۷]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا" کہ پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کو ایک چیونٹی نے کاٹا تو انہوں نے چیونٹیوں کی پوری آبادی کو جلانے کا حکم دیا پھر ان کو جلا دیا گیا جس پر اللہ نے وحی کی کہ آپ کو ایک چونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے تسبیح کرنے والی پوری امت کو جلا دیا"۔

اس حدیث کو بھی عصر حاضر کے بعض اہل علم نے کئی شبہات کی بناء پر موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ چنانچہ صادق نجمی لکھتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک چیونٹی کے کاٹنے کے بدلے میں چیونٹیوں کی پوری آبادی کو جلا دیا۔ لیکن ہمیں یہ پتہ نہیں کہ ابوہریرہؓ نے کون سے کہانیاں سنانے والے سے یہ روایت نقل کی ہے کیونکہ حدیث کے موضوع ہونے مین کوئی شک نہیں ہے اور اسکی نسبت رسول اللہ کی طرف کرنا بھی جھوٹ ہے۔[۳۸] صالح ابوبکر نے بھی حدیث پر کئی اعتراضات کرکے حدیث کو موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ پہلا اشکال یہ کیا ہے کہ انبیاء کے اخلاق بہت عمدہ اور اعلیٰ مرتبے پر ہوتے ہیں اور وہ کسی انسان کی تکلیف پر بھی بدلہ نہیں لیتے چہ جائیکہ کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے پر سب کو جلا دے یہ ایک غیر معقول اور غیر مقبول چیز ہے۔ دوسرا اشکال یہ کیا ہے کہ اللہ نے رسولوں کو انسانوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے چنا ہوتا ہے تاکہ وہ انسانوں کے لئے نمونہ رہیں اگر اس حدیث کے مطابق کوئی پیغمبر بچوں جیسی حرکت کرے تو یہ لوگوں کے لئے ایک سنت بن جائے گی اور لوگ بھی اس کی اتباع کریں گے۔[۳۹]

جعفر السبحانی نے حدیث پر یہ اشکال کیا ہے کہ ہم فرض کرتے ہیں کہ اس حدیث میں چیونٹیوں کا ذکر ہے کہ ان میں ایک مجرم تھی (قصوروار تھی) اگرچہ وہ قصوروار نہیں تھی کیونکہ کاٹنا چیونٹیوں کا ایک طبعی عمل ہے لیکن پھر بھی مان لیا کہ اس ایک کی غلطی تھی لیکن باقی سب کی کیا غلطی تھی؟۔ کیا یہ پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے زیادہ بے شعور تھا اور ان سے زیادہ بے رحم تھا کہ انہوں نے قصداً ان کو روندا نہیں اگر روندتے تب بھی بغیر قصد اور ارادہ کے ہوتا جیسا کہ قرآن میں سورۃ نمل کی آیت ۸۱

میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اس پیغمبر نے تو قصداً اور جانتے ہوئے ایک چیونٹی کی جرم کے بدلے سب کو جلا دیا۔ جبکہ نبی علیہ السلام نے چار چیزوں کے مارنے سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ھُدھُد اور سارڈ۔[۴۰]
ابن حجرؒ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ دوسرے روایات کے مطابق اس حدیث میں جس نبی کا ذکر ہے اس سے مراد موسیٰ بن عمران کلیم اللہ ہے جس کو حکیم نے نوادر الاصول میں اور اسی طرح جعفر الفریابی نے کتاب القدر کے آخر میں موقوفاً روایت کیا ہے۔[۴۱] امام عینیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں رسول اللہ نے خبر دی ہے کہ اللہ نے اس نبی کو اس عمل پر عتاب (سرزنش) فرمایا ہے وہ اگر ایک کو جلا دیتے تو عتاب نہ فرماتے۔ امام کرمانی فرماتے ہیں: کہ چیونٹی کو قصاص کے طور پر جلانا کیسے جائز ہے جبکہ وہ تو غیر مکلّف بھی ہے۔ پھر برائی کا بدلہ برائی کی حد تک ہے اور یہاں پر ایک چیونٹی نے کاٹا ہے لہٰذا کوئی بھی " وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى " کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ آگے کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان کی شریعت میں یہ جائز ہو اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تکلیف دینے والے کو شرعاً سانپ پر قیاس کرتے ہوئے قتل کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ جب جائز تھا تو پھر عتاب کیوں فرمایا؟ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے اس کا عتاب کرنے کی وجہ سے اس کا اولیٰ عمل کو چھوڑ کر جواز پر عمل کرنا ہو اس قاعدہ کے تحت " حسنات الابرار سیٔات المقربین" اور یہ بات کہنا کہ ممکن ان کی شریعت میں جائز ہو اس میں اشکال ہے کیونکہ یہ تو تخمین (ظن) پر حکم دینا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے ہو سکتا ہے اسی نبی کو اس وقت تک جلانے کا ممنوع ہونے کا علم نہ ہو۔[۴۲]

بعض علماء نے اس واقعہ کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ پیغمبر ایک ایسے علاقے سے گزرے جن کو اللہ نے گناہوں کے بدلے میں ہلاک کیا تھا تو یہ وہاں پر تعجب کی حالت میں کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اے رب اسی گاؤں میں تو بچے، حیوان اور وہ لوگ ہونگے جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس پر اللہ نے اس نبی کو عبرت دکھانے کی غرض سے ان پر گرمی کو مسلط کیا جس کی وجہ سے وہ ایک درخت کے سایہ میں چلے گئے جہاں پر چیونٹیوں کا گھر بھی تھا۔ تو اس نبی پر نیند غالب آگئی جب وہ نیند میں خوب مستغرق ہو گئے تو اسی وقت ایک چیونٹی نے ان کو کاٹا جس پر انہوں نے سب کو جلانے کا حکم دیا۔ سب کے جلانے کا حکم یا تو اسی وجہ

سے دیا کہ کاٹنے والی کا علم نہیں تھا اور یا یہ کہ وہ ایذا (تکلیف) دینے والے تھے اس پر اللہ نے ان کو متنبہ کیا کہ ایذا دینے والے اور ان کے خاندان کو قتل کرنا ممکن ہے اگرچہ ان کے اہل عیال نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جس نبی کی شریعت میں چیونٹی کو مارنا اور جلانا جائز تھا۔ اس لئے اصل فعل پر ملامت نہیں کیا بلکہ اپنی حد سے بڑھنے کی بناء پر عتاب فرمایا۔ ہماری شریعت میں اس مشہور حدیث کی وجہ کسی بھی حیوان کو آگ سے جلانا ممنوع ہے (لا یعذب بالنار الا اللہ تعالیٰ) یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی آگ کے ساتھ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا ہے۔[۴۳] ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں جب اس نبی کو چیونٹی نے کاٹا تو اس کے لئے قصاصاً ایک کو قتل کرنا کافی تھا۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ایک کو کیوں قتل نہیں کیا۔[۴۴] امام عینیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے سب حیوانوں کی تسبیح کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن التیمہ فرماتے ہیں یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ چیونٹی جلانا جائز نہیں اور ابن حبیب نے بھی اس کو جائز کہا ہے کہ جب ضرورت ہو تو ان کو جلانا اور ڈبونا جائز ہے۔[۴۵]

۵۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: 'بينما أيوب يغتسل عريانا، خر عليه رجل جراد من ذهب، فجعل يحثي في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب ألم أكن أغنيتك عما ترى، قال بلى يا رب، ولكن لا غنى لي عن بركتك'۔[٤٦]

حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ''کہ حضرت ایوب علیہ السلام ایک دن برہنہ ہو کر غسل کر رہے تھے اس دوران آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی ایک کثیر تعداد گر پڑی تو آپ نے ان کو کپڑے میں جمع کرنا شروع کیا اس پر اللہ نے وحی کی کہ اے ایوب کیا میں نے آپ کو ان چیزوں سے مستغنی نہیں کیا ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کیوں نہیں اے میرے رب۔ لیکن مجھے آپکی برکت سے استغناء نہیں ہے۔

اس حدیث کو بھی عصر حاضر کے بعض اہل علم نے کئی شبہات کی بناء پر موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ عبدالحسین الموسوی نے حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ٹڈیوں کا سونے سے پیدا کرنا یہ تو ایک معجزہ ہے اور اللہ کی عادت یہ ہے کہ وہ اس جیسے معجزات کا ظہور فقط ضرورت کے وقت کرتا ہے۔ لیکن یہاں پر اس جیسے معجزہ کو ظاہر کرنے کی ضرورت کوئی نہیں تھی کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام یہاں پر اکیلے میں غسل کر رہے تھے۔ اس لیے اس حدیث کو وہی قبول کرے گا جو بصیرت اور حکمت سے خالی اور اندھا ہو گا۔[۴۷]

صالح ابو بکر نے حدیث پر کئی اعتراضات کیے ہیں اور حدیث کو موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ ایک اسرائیلی روایت ہے جس کی رسول اللہ کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی ہے کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام جیسے پیغمبر کیسے برہنہ غسل کر سکتے ہیں یہ تو جاہل لوگوں کا کام ہوتا ہے جن میں حیا نہیں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ جب اللہ تعالی نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مال دینا چاہا یا ان کا امتحان لینا چاہا تو اس برہنہ حالت میں کیوں؟ اگر ان کو مال دینا تھا یا ان کا امتحان لینا تھا تو پردے کی حالت میں کیوں نہیں لیا؟ اس لئے اللہ کی شان اور عظمت کے لائق کونسا طریقہ مناسب تھا برہنہ حالت میں یا پردے کی حالت میں؟۔ تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا اور شیطان کے ساتھ واقعے کو قرآن میں ذکر کیا ہے لیکن اس واقعہ کو کیوں ذکر نہیں کیا ہے۔[۴۸]

ابو حب اللہ اپنی کتاب میں عبدالحسین الموسوی کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انکا یہ کہنا کہ معجزے کا ظہور تب ہوتا ہے جب ضرورت ہو، حالانکہ ہمیں قرآن اور احادیث مبارکہ سے بہت سارے معجزات کا علم ہوتا رہا ہے جن کا ظہور بغیر کسی ضرورت کے ہوا ہے مثلاً اسراء اور معراج جیسے معجزات جو کہ بغیر طلب کے اور بغیر ضرورت کے ظاہر ہوئے تھے اور ان کے بارے میں تو کسی کو علم ہی نہیں تھا مگر رسول اللہ کے خود سے خبر دینے کے بعد ہی علم ہوا۔[۴۹]

ابوالفضل العراقیؒ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس سونے کی ٹڈی کا گرنا یہ ان پر اللہ کا بہت بڑا اکرام تھا اور ان کے حق میں ایک معجزہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث

سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان پر صرف مال کے اکٹھے کرنے کی بناء پر برے ہونے یا مال کی محبت کا حکم لگانا یہ درست نہیں کیونکہ اسکے مختلف مقاصد اور وجوہات ہو سکتی ہیں اور عمل کا دارومدار تونیت پر ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا ناممکن ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دنیا کی محبت کی وجہ سے جمع کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے تو صرف اس وجہ سے کہ یہ اللہ کی طرف سے برکت اور نعمت ہے اور اللہ کی برکت سے کون مستغنی ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خود اس بات کی وضاحت کی ہے۔لہٰذا حلال مال کے جمع کرنے میں جب کہ وہ اپنے محبوب کی طرف سے ہو کوئی حرج ہی نہیں ہے۔[۵۰]

تبصرہ:

۱۔　حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک رات میں ۱۰۰ بیویوں کے پاس جانے سے متعلق روایت پر ناقدین کے اعتراضات پہلی نظر میں ایک حد تک صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک رات میں ۱۰۰ بیویوں کے پاس جانا وقت اور خلقی اعتبار سے بہت ہی مشکل ہے البتہ اللہ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلیے خلاف عادت وقت میں برکت ڈالنے کی وجہ سے ایسے ہی ممکن ہے جیسے ان کے لیے جنات اور ہوا کو اللہ نے مسخر کیا تھا۔ وقت میں برکت کا ہونا یہ تو اللہ کے عام صالح بندوں کے لئے بھی مشاہدے سے ثابت ہے جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے تو اللہ کے رسولوں کے لئے وقت میں برکت کا ہونا بدرجہ اولی ممکن ہے۔ مجھے بھی حدیث پر صرف ایک اعتراض کا درست ہونا معلوم ہو رہا تھا جس کو اوپر بھی بیان کر چکا ہوں وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے پیغمبر نے کیسے لوگوں کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ میں آج رات اپنی ۱۰۰ بیویوں کے ساتھ جماع کرونگا۔۔ لیکن اس اعتراض کا حافظ زبیر علی نے مناسب جواب دیا ہے کہ یہ بات آپ نے کس کے سامنے کہی تھی حدیث اس حوالے سے خاموش ہے حدیث سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے منبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا۔لہٰذا ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنی بیویوں کے سامنے کہی ہو گی جو اللہ نے بذریعہ وحی اپنے حبیب محمد ﷺ کو بتا دی۔ اس جواب سے میرے ذہن میں بھی جو شبہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ ضروری

تو نہیں کہ یہ بات انہوں نے کسی کے سامنے کہی ہو، بلکہ خود کلامی بھی ہو سکتی ہے۔ البتہ حدیث کے متن میں اس قدر اضطراب کا ہونا بھی شبہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ علماء نے ان روایات میں جو تطبیق بیان کی ہے اس قدر قوی اور وزنی نہیں جس سے روایات کے درمیان اضطراب کو دور کیا جاسکے۔

۲۔ حضرت موسی علیہ السلام کے فرشتے کی آنکھ پھوڑنے سے متعلق حدیث کو بغیر کسی دلیل کے رد کرنا اور حدیث کو پرانے لوگوں کے قصے اور کہانیوں سے تشبیہ دینا ان لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جن کو دین کی صحیح سمجھ نہیں اور نہ ہی روایات کے معانی میں غور و فکر کرتے ہیں بلکہ جب کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے تو بغیر کسی خوف کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اگر غور کیا جائے اور اہل علم کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے تو اعتراض والی کوئی بات ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ موسی علیہ السلام کا انسانی شکل میں گھر میں داخل ہونے والے فرشتے کی سرزنش کرنا ایک مباح فعل تھا کہ شریعت کے مطابق اگر گھر میں کوئی بغیر اجازت کے داخل ہو جائے تو اس کو مارنا جس سے آنکھ پھوٹ جائے یا کوئی اور نقصان ہو جائے جائز ہے۔اس کے علاوہ یہ کہنا کہ قرآن میں کیوں ذکر نہیں کیا ہے تو یہ ایک باطل اعتراض ہے کیونکہ قرآن کریم کوئی قصے کہانیوں کی کتاب نہیں کہ اس میں پچھلے سب انبیاء کے واقعات کو ذکر کیا جائے البتہ بعض واقعات کو اللہ تعالی نے عبرت اور تعلیم کی غرض سے ذکر کئے ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری میں پتھر کے حضرت موسی علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگنے سے متعلق حدیث بھی اگرچہ پہلی نظر میں موسی علیہ السلام کی شان اور مقام کے مخالف معلوم ہوتی ہے کیونکہ پتھر کا موسی علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگنا اور پھر موسی علیہ السلام کا برہنہ حالت میں ان کے پیچھے بھاگنا عقلی اعتبار سے ناممکن معلوم ہوتا ہے البتہ بطور معجزہ کے پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا ممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ موسی علیہ السلام کے دیگر واقعات جن کا ذکر قرآن میں ہے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کا جواب انتہائی آسان ہے جس کو ہم نے اوپر کے پیراگراف میں بھی بیان کیا ہے۔ کہ قرآن کوئی قصے، کہانیوں کے مجموعہ کا نام نہیں۔ البتہ ان اعتراضات میں سے صرف ایک نکتہ کی حکمت نہیں سمجھ سکا کہ "کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عیب سے بری کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا تھا جس میں آپ کو برہنہ ہو کر

لوگوں کے سامنے نہ آنا پڑتا اور نہ ہی اس وجہ سے آپ کا مذاق اڑایا جاتا۔ اس اعتراض کا جواب ابن حزمؒ کی قول سے بھی ایک حد تک دیا جاسکتا ہے وہ اس طرح کہ یہ عیب اس وقت ہوتا جب آپ بالکل برہنہ ہو کر سامنے آتے (یعنی آپ نے کچھ بھی نہ پہنا ہوتا) اس لئے ایسے حالت میں آنا ایک بڑی عیب کی بات ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام پورے برہنہ نہیں تھے بلکہ آپ نے لنگوٹی پہنی ہوئی تھی جس کی وجہ سے شرمگاہ چھپی ہوئی تھی اگرچہ ابن حزم نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے لیکن یہ ایک قوی احتمال ہے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ لنگوٹی پہن کر ہی غسل کرتے ہیں اور جب تالاب وغیرہ میں نہاتے ہیں تو بالکل برہنہ ہو کر نہیں نہاتے بلکہ لنگوٹی پہن کر نہاتے ہیں لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے بھی پہنی ہوگی اس وجہ سے تو آپ پتھر کے پیچھے بھاگے۔ یہاں پر ایک اور بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ایسی حالت میں کوئی قصداً نہیں بھاگتا بلکہ فطری طور پر اس چیز کو پکڑنے کی کوشش میں بھاگتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام بھی غالباً اسی طرح پتھر سے کپڑے لینے کی غرض سے بھاگے ہونگے یہاں تک کہ وہ اس حال میں لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ لہٰذا ان احتمالات کے ہوتے ہوئے حدیث کو مطلقاً موضوع کہنا اور اسرائیلیات میں سے شمار کرنا یہ ان لوگوں کا ایک وہم اور غلط فہمی ہے۔

۴۔ صحیح بخاری میں ایک نبی کا ایک چیونٹی کے کاٹنے سے چیونٹیوں کی پورے وادی کے جلانے سے متعلق حدیث کے بارے میں اہل علم حضرات نے جو وجوہات بیان کی ہیں اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نبی کی امت میں حیوان کو جلانے کی اجازت تھی اس وجہ سے تو جلانے پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ سب کے جلانے پر عتاب فرمایا۔ لیکن پھر بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ ایک کے کاٹنے کیوجہ سے سب کو کیوں جلایا۔ کیونکہ بغیر کسی غلطی کے ایک پیغمبر جو کہ دیگر انسانوں کے مقابلے میں بہت رحم دل ہوتے ہیں اس نے کیسے سب کو جلا دیا؟۔

۵۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا غسل کرتے وقت ان پر سونے کی ٹڈیوں کے گرنے سے متعلق حدیث پر صالح ابو بکر اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کیئے گئے اعتراضات میں کوئی وزن ہے اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے اس لیے کہ اگر حدیث کے الفاظ اور معنیٰ میں غور کیا جائے اور اسی طرح حدیث کے

بارے میں علماء کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے تو سب اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں۔اس لئے صالح ابو بکر کا یہ کہنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کیسے برہنہ غسل کر سکتے ہیں۔ وہ اس بات کو سمجھے ہی نہیں کیونکہ حدیث کا مطلب ہے کہ اکیلے میں برہنہ ہو کر غسل کر رہے تھے نہ کہ لوگوں کے سامنے جیسا کہ صالح ابو بکر کو وہم ہو گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس مال کا آنا اور پھر ان کو جمع کرنا اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ وہ خود فرمارہے ہیں کہ یہ اللہ کی برکت اور انعام ہے اس سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا ہے جبکہ یہ ایک معجزہ تھا اللہ کی طرف سے جس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے خوشی کا اظہار کیا۔ جیسا کہ سب علماء نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ حلال مال کے جمع کرنے میں جبکہ وہ اپنے محبوب کی طرف سے بھی ہو کوئی قباحت نہیں اور اس سے کسی انسان کا دنیا سے محبت کا اظہار ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ حدیث پر عبدالحسین الموسوی کا یہ اعتراض کرنا کہ یہ تو معجزہ ہے اور معجزہ کا ظہور ضرورت کے وقت یا لوگوں کی طلب کی بناء پر اللہ اپنی نبی کی مدد اور نصرت کے لئے ظاہر کرتا ہے یہ بھی ان کی کم علمی اور علوم دینیہ سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بہت سارے معجزات ایسے ہیں جو بنا کسی فوری ضرورت کے واقع ہوئے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، ج ۱۲، ص ۴۱۳؛ مادۃ "عصم"

[2] رازی، فخر الدین، امام: تفسیر مفاتیح الغیب المشھور بتفسیر الکبیر، دار الفکر، بیرو، ج ۲، ص۲۸

[3] : البخاری، صحیح البخاری، کتاب النکاح، رقم الحدیث، ۴۹۴۷، و مسلم، صحیح مسلم، کتاب الأیمان، رقم الحدیث، ۱۶۵۴.

: احادیث کے لیے دیکھیے: البخاری، صحیح البخاری، کتاب الجھاد رقم الحدیث، ۲۸۱۹، کتاب الانبیاء، ۳۴۲۴، کتاب الایمان،

[4] رقم الحدیث، ۶۷۲۰۔

[5] : صادق النجمی، الأضواء علی الصحیحین، مؤسسۃ المعارف الأسلامیۃ، بیروت، ۱۴۱۹، ص، ۲۱۹

[6] : جعفر السبحانی، الحدیث النبوی بین الروایۃ والدرایۃ، مؤسسۃ الأمام الصادق، ایران، ۱۴۱۹ھ، ص، ۳۳۰

[7] : دیکھیے: شرف الدین المسوی، کتاب ابو ھریرۃ، بغداد، ۱۹۶۵، ص، ۶۹؛ اور السید صالح ابو بکر، الأضواء القرانیۃ فی اکتساح الأحادیث الاسرائیلیۃ و تطھیر البخاری منھا، دار السلفیۃ، السعودیۃ، ۱۹۷۴، ص، ۳۳۳۔

[8]: ابن بطال, شرح صحیح البخاری, تحقیق ,ابو تمیم یاسر, مکتبۃ الرشد, ریاض, ۱۴۲۳, ج، ۵، س ۳۲۔

[9]: ابن حجر, فتح الباری, دار المعارفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج،۶، ص، ۴۶۱۔

[10]: العینی, عمدۃ القاری, مکتبۃ احیائ التراث، لبنان، ج، ۱۴، ص، ۱۱۷۔

[11]: عبد السلام رستمی, انکار حدیث سے انکار قرآن تک، دار السلام، لاھور، ص، ۳۸۰

[12]: ابن حجر, فتح الباری, دار المعارفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج،۶، ص، ۴۶۱۔

[13]: حافظ زبیر علی, صحیح بخاری پر منکرین حدیث ک حملے، مکتبۃ الحدیث، اٹک، ۱۴۲۶ھ، ص، ۱۹۔

[14]: البخاری, صحیح, کتاب الجنائز، رقم الحدیث، ۱۳۳۹؛ و مسلم، صحیح، کتاب الفضائل، رقم الحدیث، ۲۳۷۲

[15]: سورۃ المنافقون، ۱۱

[16]: ابن فرناس، الحدیث والقرآن، بغداد، ۲۰۰۸، ص، ۱۳۱

[17]؛ سورۃ احزاب، ۶۹۔

[18]: صادق النجمی، الأضواء علی الصحیحین, ص، ۲۲۰؛ جعفر السبحانی، الحدیث النبوی بین الروایۃ والدرایۃ, ص، ۳۳۲

[19]: حوالہ بالہ

[20]: جعفر السبحانی، الحدیث النبوی بین الروایۃ والدرایۃ, ص، ۳۳۲

: دیکھے: شرف الدین المسوی، کتاب ابوہریرۃ، ص، ۷۰؛ اور صالح ابو بکر، الأضواء القرانیۃ فی اکتساح الأحادیث الاسرائیلیۃ، ص، ۱۸۷ [21]

[22]: محمد ابو شھبۃ, دفاع عن السنۃ, مکتبۃ السنۃ, مصر, ۱۹۸۹ء, ص، ۱۶۲

[23]: عبد اللہ بن علی النجدی، مشکلات الاحادیث النبویۃ، ص، ۲۷

: ابن حجر، فتح الباری، ج، ۶، ص، ۴۴۲؛ العینی، عمدۃ القاری، ج، ۸، ص، ۱۴۸؛ حمزۃ محمد قاسم، منار القاری شرح البخاری، ج، ۲، ص ۳۹۷ [24]

[25]: ابن قدامۃ المقدسی، لمعۃ الاعتقاد ک حاشیۃ میں، وزارۃ الشؤون الإسلامیۃ، السعودیۃ، ۱۴۲۰ھ، ج،۱، ص، ۲۸

[26]: البخاری، صحیح، کتاب احادیث الأنبیاء، حدیث، ۳۴۰۴؛ و مسلم، صحیح، کتاب الفضائل، رقم الحدیث، ۲۳۷۲؛

[27]: جعفر السبحانی، الحدیث النبوی بین الروایۃ والدرایۃ, ص، ۳۴۴

[28]: صالح ابو بکر، الأضواء القرانیۃ فی اکتساح الأحادیث الاسرائیلیۃ و تطھیر البخاری منھا, ص، ۲۳۷

[29]: ابن فرناس، الحدیث والقرآن، ص، ۴۱

[30]: شرف الدین الموسوی، کتاب ابو ھریرۃ، بغداد، ۱۹۶۵، ص، ۴۳

[31]: العینی، عمدۃ القاری، ج، ۱۵، ص، ۳۰۱

[32]: ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ج، ۹، ص، ۳۶۴۲

[33]: جریر الطبری، جامع البیان فی تأویل القرآن، تحقیق, احمد محمد شاکر, مؤسسۃ الرسالۃ, بیروت, ۱۴۲۰ھ, ج، ۲۰، ص، ۳۳۱

[34]: محی الدین البغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن, تحقیق, عبد الرازاق المھدی, دار احیاء التراث, بیروت, ۱۴۲۰ھ, ج، ۳، ص، ۲٦٧

[35]: ابن عطیۃ الأندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز, تحقیق, عبد السلام عبد الشافعی, الکتب العلمیۃ, بیروت, ۱۴۲۲ھ, ج، ۴، ص، ۴۰۱

[36]: ابن حزم، المحلی، دار لفکر، بیروت۔ ج، ۳، ص، ۲۱۳

[37]: البخاری، صحیح، کتاب الجھاد، حدیث، ۳۰۱۹؛ و مسلم، صحیح، کتاب السلام، حدیث، ۲۲۴۱۔

[38]: صادق النجمی، الأضواء علی الصحیحین, ص، ۲۲٦

[39]: صالح ابو بکر، الأضواء القرآنیۃ فی اکتساح الأحادیث الاسرائیلیۃ و تطہیر البخاری منہا, ص، ۳۲۸

[40]: جعفر السبحانی، الحدیث النبوی بین الروایۃ والدرایۃ, ص، ۳۵۱

[41]: ابن حجر، فتح الباری، ج، ۱، ص، ۲۹۲

[42]: العینی، عمدۃ القاری، ج، ۱۴، ص، ۲٦۸

[43]: ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح، ج، ۷، ص، ۲٦۷؛ اور دیکھیں: حافظ العراقی، طرح التثریب، ج، ۷، ص، ۱۸۹

[44]: ابن الجوزی، کشف المشکل، تحقیق: علی حسین البواب، دار الوطن ۔الریاض، ج، ۳، ص، ۳٦۳

[45]: العینی، عمدۃ القاری، ج، ۱۴، ص، ۲٦۹

[46]: البخاری، صحیح البخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، حدیث، ۳۳۹۱؛

[47]: شرف الدین الموسوی، کتاب ابی ھریرۃ، ص، ۸۴۔

[48]: صالح ابو بکر، الأضواء القرآنیۃ فی اکتساح الأحادیث الاسرائیلیۃ و تطہیر البخاری منہا, ص، ۳۲۰

[49]: ابو حب اللہ ،الرد علی شرف الدین الموسوی فی انتقاداتہ لآبی ھریرۃ، ص، ۸

[50]: ابو الفضل العراقی، طرح التثریب فی شرح التقریب، دار الفکر, بیروت, ج، ۲، ص، ۲۳۲